تار کا پتہ: "انجمن" علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر ۹۲۲ / ۲۹

1050, M. Nasiruddin Hashmi Sahib,
Opposite Mumtaz Mension,
Lakri-Ka-Pul,
HYDERABAD, Dn.

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ ۳ آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲	یکم مئی ۱۹۵۴ء	ایڈیٹر قاضی عبدالغفار	۲۷ شعبان المعظم ۱۳۷۳ھ	نمبر ۲۳

انجمن نے کوئی کام نہیں کیا!

یہ ارشاد ہے ایسے دوستوں کا جو اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ انھوں نے اپنی عمر میں اردو زبان کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ ان دوستوں میں بعض ایسے ہیں جو ماشاءاللہ خوشحال ہیں، ان سے اگر سوال کیجیے کہ آپ نے اردو کے لیے کتنے پیسے خرچ کیے ہیں تو وہ خفا ہو جائیں گے اور کچھ نہ دیں گے یا اور زیادہ شدت سے انجمن کی بے عملی کا نوحہ پڑھنے لگیں گے!

ان ہی دوستوں میں بعض وہ ہیں کہ عوام کے ووٹوں کے نمائندہ ہو کر اسمبلی اور کونسل کی کرسیوں سے آسائش حاصل فرماتے ہیں۔۔۔۔ اگر آپ ان نمائندوں سے سوال کیجیے کہ جناب نے کونسل یا اسمبلی میں اردو زبان کا کیا حق ادا فرمایا اور کب اُن مظالم کے خلاف آواز اٹھائی جو اردو پر کیے گئے ہیں۔ تو جواب یہ ملے گا کہ ہم کو حکم مل چکا ہے کہ ہم پارٹی کی اجازت کے پابند ہیں۔ اگر ان کو حوالہ دیجیے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب یا مولانا شاہد صاحب جیسے احباب کی تقریروں کا جنھوں نے پارٹی کی اجازت کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے بڑی جرات کے ساتھ فرضِ ادا اور حق کہا، تو انجمن کی مفروضہ بے عملی پر اعتراض کرنے میں ان کا لہجہ اور سخت ہو جائے گا۔۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی بے عملی کا پردہ ڈال رہے ہیں!

ناواقف عوام کے سامنے وہ بے تکلف انجمن پر تعریض کر کے گویا اردو زبان کی مصیبت کے متعلق اپنا دردِ دل بیان اور غمِ جگر عیاں فرما دیتے ہیں لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس دردِ دل اور غمِ جگر کی نمود سے اردو زبان کی خدمت کرنے والے واحد ادارے کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔

نصف صدی سے انجمن ایک خالص علمی اور ادبی حیثیت سے اردو زبان کی خدمت کرتی رہی اور وہ خدمت انجمن کے نئے دور میں بھی اسی طرح جاری رہی کہ تقریباً دس بارہ معیاری کتابیں ہر سال انجمن نے لکھوائیں اور شائع کیں اور انقلابی ہوا کے جھونکوں سے اس چراغ کو بچایا جو نصف صدی سے جل رہا تھا۔ پھر جب انجمن نے دیکھا کہ اردو زبان پر علانیہ اور براہِ راست ایسے شدید حملے ہو رہے ہیں جن کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی دوسرا ادارہ موجود نہیں تو اس نے بار بار سوچنے اور غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب اُسے اپنے خالص علمی مسلک سے ہٹ کر اردو کی حفاظت کے لیے دفاعی تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ موجودہ ماحول میں یہ کام آسان نہ تھا لیکن اس نے دو سال میں تقریباً ۲۰ ہزار روپیہ صرف کر کے زبان کی حفاظت کا ایک دستوری محاذ قائم کر دیا اور اس کام کی پہلی منزل طے کر لی۔ اس منزل پر ان بلند مقام محبانِ اردو کی زبان سے جب ہم یہ سوال سنتے ہیں کہ انجمن نے کیا کیا تو غصہ آتا ہے اور افسوس ہوتا ہے بلکہ ایک عبرت آموز تصویر اس ذہنی پستی کی نظروں کے سامنے آجاتی ہے جو ان کرسی نشین محبانِ ملت کی خاص نشانی ہے۔ ان کرسی نشینوں کو شرم ہے کہ آئینۂ نظر سے خود ہی دیکھ لیں کہ حضرات تصویر کا رُخ دوسرا دیکھتے ہیں جب ہیں ان کی شخصیت بہ حیثیت ایک ناصح اور مصلح کے نمایاں ہوتی ہو اور دوسروں کی جدوجہد کے رُخ کو دیکھنا نہیں چاہتے اس لیے کہ اس کے دیکھنے سے خود اپنی بے عملی کا تکلیف دہ احساس ان کے نفس کی تسکین میں حائل ہوتا ہے! ناصح اور مصلح کا یہ منصب ہے! اس کا کام ارشاد فرمانا ہے، کام کرنا دوسروں کا فرض ہے! جب ہمارے کانوں میں ان مصلحانہ اور مشفقانہ تنبیہ کی یہ آوازیں آتی ہیں تو ہم سوچتے ہیں کہ کیا واقعی انجمن سے کوئی خطا سرزد ہوئی!

——— کیا واقعی انجمن سے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ———

کہیں ایسا تو نہیں کہ انجمن کی رفتار سست کے اتفاق سے ان سب جو کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا؟ یا ایسا تو نہیں کہ کوئی کتاب جو چھپنا چاہیے تھی اور انجمن نے اس کا مسودہ قبول نہیں کیا؟ یا ایسا تو نہیں کہ کوئی مضمون

انتخاب سے پہلے چھپا تھا اور وہ شائع نہ ہو سکا! وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے کتنے ہی گناہ ہیں جو انجمن سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ ان خطاؤں سے بھی خفیف تر خطاؤں کی وجہ سے ہم ان حضرات کو یقین ہو جاتا ہے کہ انجمن نے کوئی کام نہیں کیا! ——— فکر کی اس بلندی اور افکار کی اس رفعت سے ہم ناواقف نہیں۔ اور شاید کوئی بھی قومی ادارہ ایسا نہیں جس کو اس قسم کے ناصحان مشفق کی تنقید سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔

انجمن ۲۵ ہزار روپے سال بہترین معیاری کتابوں کی اشاعت پر خرچ کر رہی ہے۔ انجمن کی ساتھ ستر شاخیں تمام ہندوستان میں کام کر رہی ہیں ان میں سے کچھ کو انجمن مالی امداد بھی دیتی ہے۔ باوجود اپنے وسائل کی کمی کے انجمن نے ۲۲ ہزار روپیہ علاقائی تحریک پر خرچ کیا، کس طرح وہ جمع کیا گیا۔ کس طرح چندے مانگے گئے اور کن حضرات نے چندے دیئے ان چندہ دینے والوں کی فہرست میں کتنے ایسے مصلحان مشفق کے نام بھی شامل ہیں، جو فرماتے ہیں کہ انجمن نے کچھ کام نہیں کیا۔ یہ سب باتیں تفصیل سے عرض کرنے کی ہیں۔ لیکن ایسے بے اصول میں ہماری زبان کے زیادہ صفحات کو ضائع کرنا ہمیں گوارا نہیں۔

ہم ان دوستوں کو دعوت دیتے ہیں کہ کونوں کھدروں میں بیٹھ کر اعتراض کرنے کے بجائے براہ راست انجمن کے سکریٹری یا صدر کو مخاطب کریں اور براہ راست سوالات کر کے حقیقت حال سے آشنا ہونے کی کوشش کریں۔ یہ کوئی بہادری نہیں کہ جہاں کوئی تردید کرنے والا موجود نہ ہو وہاں چھپے چھپے انجمن کو بدنام کیا جائے، اس طرح ان دوستوں کی عزت نفس میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوتا۔

دیکھتا ہوں دوش کے آئینہ میں فردا کو میں

مشرقی بنگال میں اردو زبان کو علاقائی زبان پر مسلط کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہم نے دیکھ لیا اور معلوم ہو گیا کہ عوام کی مادری زبانوں کے ساتھ حکومتیں یا حکومتوں کے زیر سایہ صاحبان اقتدار ایسا کھیل کھیل کر کیسے نتیجے اور خطرات پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر یہ کہ عوام کی قوت سے [illegible] ان ہی کو ہوئی ہے۔

ہماری انجمن ترقی اردو نے علاقائی تحریک چلائی جب بھی الزامات لگائے گئے ——— کبھی اس کا مقصد پاکستان اور دو قومی نظریے سے جوڑتے ہیں۔ کبھی اس کے حامیوں کی وفاداری کو مشتبہ قرار دیتے ہیں۔ کبھی اس کو فرقہ وارانہ تحریک بتاتے ہیں ——— ان کو تھوڑا سا حقیقت شناس ہو کر اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ اگر انجمن ترقی اردو نے گزشتہ عام انتخاب میں اپنی تحریک کا یہ رخ اختیار کیا ہوتا تو کیا ہوتا۔ ہم نے اپنی تحریک پر دستوری پابندیاں سختی کے ساتھ عائد کیں اور کبھی اس کو عام شورش کے طرز میں عوام کے ہاتھ میں نہیں جانے

دیا لیکن

"نیکی برباد گنہ لازم"

اس پر بھی ہم کو جو طعنے سننے پڑتے ہیں اس کا ایک نمونہ ہم ابھی ایوان پارلیمنٹ میں دیکھ چکے ہیں۔ ٹنڈنوں اور گوبند داسوں سے عرض کرنا ضروری ہے کہ اردو والوں کو دبا کے دیگر کسی عوامی تحریک کی طرف نہ لے جائیے اگر آپ اپنی تنگ نظری اور تنگ دلی سے اس قدر مغلوب رہیں گے تو نتائج کے بھی آپ ہی ذمہ دار ہوں گے۔ عوام کی مادری زبانوں سے کھیلنا بہت خطرناک کھیل ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ اردو والوں کے حلق یہ کہتے کہتے خشک ہو جاتے ہیں کہ ہم سرکاری زبان کے حامی ہیں، ہم اس کے خلاف نہیں ہم اپنے بچوں کو ہندی پڑھا رہے ہیں اور ضرور پڑھائیں گے۔ ہم اتنے بیوقوف بھی نہیں کہ سرکاری زبان سے بیر رکھ کر اپنی اور اپنی اولاد کے معاشی مستقبل کو برباد کر دیں۔ لیکن حال یہ ہے کہ

"یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں"

اور ادھر بدگمانیوں اور شبہات کا ایک طومار ہے جو ختم ہی نہیں ہوتا۔ اگر خدانخواستہ ہماری دستوری جدوجہد کامیاب نہ ہوئی تو کیا ٹنڈن جی ہمیں مشرقی بنگال کا راستہ بتائیں گے؟ ان ناعاقبت اندیش بزرگوں سے یہ بھی بعید نہیں!

بہرحال اس وقت تو ہمارے لئے اور ہندوستان کے تمام ٹنڈنوں کے لئے مشرقی بنگال میں مسلم لیگ کی شکست ایک سبق آموز واقعہ ہے۔

عجیب تر یہ بات ہے کہ جب ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں کی ترقی اور تحفظ کی ایسی تجویزیں بھی پیش کی جاتی ہیں جو ہندی پریمیوں کے جذبات سے ٹکر لیتی ہیں تب بھی نہ ٹنڈن جی کچھ فرماتے ہیں نہ گوبند داس جی۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ بنگال کی حکومت اس غرض سے ایک کمیٹی مقرر کر رہی ہے کہ وہ ہندی زبان کے لئے دیوناگری کے علاوہ رومن رسم الخط بھی اختیار کرنے کے مسئلے پر غور کرے اور اس تجویز کا راستہ صاف کرنے کے لئے تحریک کی جائے گی کہ دستور کی دفعہ ۳۴۳ میں ترمیم کی جائے تاکہ سرکاری زبان کے دونوں رسم الخط جائز قرار دئے جائیں۔

ہم حیران ہیں کہ بنگال کے چیف منسٹر کی وفاداری پر کیوں نہ شبہ کریں اور کیوں نہ یہ کہیں کہ یہ اگر پاکستانی نہیں تو غدار ضرور ہیں جس کی وجہ سے انگریزی رسم الخط کو سرکاری زبان کے لئے جائز قرار دیا جائے گا ——— راشٹر بھاشا کے پریمی آخر کیوں خاموش ہیں۔ جیسے مولانا ابوالکلام آزاد کو وزارت سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ وہاں [illegible] کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہندوستان کی تمام علاقائی زبانیں راشٹر بھاشا سے [illegible] ہیں، پھر بھی وہ شبہ پیدا کر دی ہے تو صرف اردو۔ معاذ اللہ صرف اردو کے نام سے [illegible] ——— اس مرتبے میں فرقہ پرستی صاف جھلکتی ہے مگر کس کی؟

ہلکے ہلکے اشارے

——— باندہ کی سیاسی (کانگریسی) کانفرنس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے جو ہندی میں موٹے موٹے الفاظ استعمال کرتے ہیں، سوال کیا کہ یہ کانفرنس ایک سنجیدہ سیاسی اجتماع ہے یا ہندی سمیلن؟

——— وہ یہ سوال کر سکتے تھے کہ یہ کانگریس ہے یا ہندی پرچارنی سبھا؟

——— پنڈت جی نے یہ شکوہ بھی کیا کہ صدر استقبالیہ کی تقریر ان کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی! ——— اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ صدر استقبالیہ کی سمجھ پنڈت جی سے اونچی ہے! وقت آنے لگا تو وہی وزیر اعظم بنائے جائیں گے ——— اگر ٹنڈن جی اپنے حق سے دست بردار ہوئے!!

——— اردو کے ایک دوست نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ڈاک کے خطوط پر پتے صرف اردو میں لکھے جائیں؛

——— بھارت کے پوسٹ مینوں سے بھی ذرا مشورہ کر لیجئے!!

——— حامد روزنامہ الجمعیۃ:

"مقابلہ ہو تو ایسا ہو کہ عقل و انصاف سب مات کھا جائیں۔ اردو دانشوروں کے آستو عمل آئیں، یعنی خبر یہ ہے کہ جس طرح ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی قیادت میں اردو کے حامیوں کا ایک وفد صدر جمہوریۂ ہند سے ملا تھا۔ اس کے جواب میں ہندی والوں کا ایک ڈیپوٹیشن بھی صدر موصوف سے ملے گا اور ان سے" ——— درخواست کرے گا کہ اردو کو اتر پردیش کی راج بھاشا بنانے کا مطالبہ منظور نہ کیا جائے ——— اس وفد میں ان ہی لوگوں کو شرکت کا فخر حاصل ہوگا جو پارلیمنٹ کی بحث میں اپنی تنگ نظری اور تعصب کے لئے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ یعنی ٹنڈن جی اور سیٹھ گووند داس وغیرہ۔

——— مگر سوال یہ ہے کہ کیا اردو کے وفد نے صدر جمہوریہ سے یہ کہا تھا کہ ہندی کو اتر پردیش کی راج بھاشا بنانے کا مطالبہ منظور نہ کیا جائے؟ یا ان کا مطالبہ یہ تھا کہ اردو کو ہندی کی جگہ دی جائے؟ اگر نہیں تو ہندی والوں کا وفد یہ کیوں کہے کہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم نہ کیا جائے۔ یہ اردو والے تو ہندی کی سرکاری حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اردو کی علاقائی حیثیت تسلیم کرانا چاہتے ہیں جو دستور ہند کے عین مطابق ہے۔ مگر ہندی والے اردو کی تخریب پر آمادہ ہیں ——— اسی لئے تو پارلیمنٹ میں ہندو پرستوں کی ——— تنگ نظری ——— اور لسانی چھوت چھات پر ماتم سرائی کی گئی تھی کہ وہ ایک زندہ زبان کو دفن کر دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اردو والے ہندی اور اردو دونوں کو زندہ رکھنے پر تلے ہوئے ہیں!

——— حیدرآباد یکم اپریل۔ حیدرآباد اسمبلی میں عام فہم زبان کا مسئلہ آج پھر زیر بحث آیا۔ بعض ارکان نے انگریزی کی بجائے دوسری زبانوں میں ... بنے قوانین کے ترجمے دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے انگریزی زبان سے ناواقفیت کا اظہار کیا۔ وزیر پارلیمانی امور مسٹر گوپال راؤ ایکبوٹے نے انگریزی تحریروں کا "اردو" ترجمہ مہیا کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے کہا کہ اسمبلی کی اکثریت اس زبان سے واقف ہے۔ اردو میں ترجمہ دینے سے مختلف زبانوں میں ترجمہ پر صرف ہونے والا وقت اور صرفہ بچ جائے گا۔ لیکن نائب قائد حزب ... ڈی دیش مکھ اور دوسرے چند ارکان نے ہندی اور تینوں علاقہ واری زبانوں یعنی تلنگی، مرہٹی اور کنڑی میں ترجمے مہیا کرنے پر زور دیا جسے اسپیکر نے قبول کر لیا۔ (دکن ٹیوز)

——— کیسی بلا ہے یہ اردو جس سے کسی طرح نجات نہیں ملتی!!

——— یوپی کونسل میں وزیر تعلیم نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بعض اسکولوں میں اردو پڑھانے والے مدرسین الگ کئے جا رہے ہیں اور نصاب سے اردو خارج کی جا رہی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ حکومت اس سلسلے میں وقتاً فوقتاً انسدادی تدابیر اختیار کرتی رہتی ہے۔

لیکن ہماری بیچاری حکومت کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ
الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا!

——— ایک خفیف سی امید افزا بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ایک خاص افسر کا تقرر کیا گیا ہے جو اس بات کی نگرانی کرے گا کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کے داخلے اور اردو میں تعلیم کے متعلق مدرسوں میں حکومت کی پالیسی پر عمل درآمد کا بندوبست کرایا جائے۔

——— ان اسپیشل افسر صاحب کے ساتھ ہم اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں ——— سرکار اور عوام کے دو چکی کے پاٹوں کے بیچ میں جو کوئی افسر پھنس گیا ہو وہ کم از کم ہمدردی کا تو مستحق ہوتا ہے!!

——— اتر پردیش کے وزیر تعلیم لفظ "ابہام" کے معنی سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ان کے خیال میں یہ لفظ بہت ہی مبہم ہے۔ ہوا یہ کہ جب کونسل میں وزیر موصوف سے سوال کیا گیا کہ کیا اردو بھی ریاست کی ایک اہم زبان ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ لفظ تو اتنا مبہم ہے کہ وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ ممبر کیا بات دریافت کر رہے ہیں

——— جو عقل و فہم بھی بازار میں کہیں بکتا
تو ہم خرید تے اک اپنے مہرباں کے لئے

——— ابھی تو مرکزی پارلیمنٹ میں "فریب تخیل" کی ترکیب پر جو مولانا آزاد نے استعمال کی تھی اس قدر نعرے بلند ہو چکے ہیں ——— اب اتر پردیش کی کونسل میں لفظ "اہم" کی زد وزیر صاحب برداشت نہ کر سکے "فریب تخیل" کے متعلق ٹنڈن جی کو خفا ہوتے سن کر ہمیں تو یہ خیال آیا کہ مولانا نے ناحق یہ بین بجائی اور ان اصحاب کے سامنے چراغ جلایا جو دیکھ ہی نہیں سکتے "فریب تخیل" کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچا۔ اور کسی نے نہ سوچا کہ یہ ترکیب کتنی حسین اور معنی خیز تھی ——— ٹنڈن جی نے جو فریب کا لفظ سنا تو ان بیچاروں کو اس کے ایک ہی معنی معلوم تھے!

——— بہار کی یونیورسٹی نے اردو، فارسی اور عربی میں پرائیوٹ طلبا کو ایم اے کا امتحان دینے کی ممانعت کر دی۔

——— اس سے زیادہ موثر طریقہ کیا ہو سکتا تھا کہ یونیورسٹی میں طلبا کے لئے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم کا کافی انتظام نہ ہو اور پرائیوٹ طلبا کو امتحان دینے کی اجازت نہ دی جائے!!

دیکھنا یہ ہے کہ یہ حرکتیں بہار میں بھی زبان کے مسئلے کو کہاں سے کہاں پہنچائیں گی۔

——— ایک دلچسپ خبر یہ شائع ہوئی ہے کہ عرصہ دراز کے بعد زبانوں کے متعلق مردم شماری کے کچھ نقشے رجسٹرار جنرل کے دفتر سے شائع کئے گئے ہیں۔ اس ... صفحات کی رپورٹ میں یوں تو ہر زبان کے بولنے والوں کی آبادی کے اعداد ظاہر کئے گئے ہیں، لیکن جب معاملہ آیا اردو، ہندی، ہندستانی اور پنجابی کا تو ان زبانوں کے اعداد کو یکجا کر کے شائع کیا گیا یعنی صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ ملک میں ۱۱۳۴۳۴۹۹۴۴۱ آدمی ہندی، اردو، ہندستانی اور پنجابی بولتے ہیں! اور یہ بھی تصریح کی گئی کہ یہ اعداد یکجائی اس لئے شائع کئے گئے ہیں کہ ان زبانوں کے متعلق کچھ جھگڑے پیدا ہو گئے تھے!!

——— سبحان اللہ! کتنا آسان راستہ اختیار کیا گیا اب ان ۱۵ کروڑ انسانوں کے سمندر میں غوطے لگائیے اور اردو بولنے والوں کی تعداد معلوم کر لیجئے! ——— لیکن اس نشیب میں پانی مرتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مشترکہ اعداد کا پردہ اردو بولنے والوں کی تعداد پر ڈالنا ضروری سمجھا گیا! ——— یہی فرما دیتے کہ یہ سب ۱۵ کروڑ ہندی بولنے والے ہیں، ہندستانی اور اردو اور پنجابی کو سرے ہی سے اڑا دیتے ——— تب بھی ہم کیا کرتے۔ قلم ان کا ہے۔ کاغذ ان کا ہے۔ احساب کتاب ان کا ہے۔ اور ہندستان میں ایک آزاد حکومت قائم ہے!!

——— پٹنہ (بذریعہ ڈاک) بہار یونیورسٹی سینٹ کے اجلاس میں سوالوں کے وقت پروفیسر سید حسن پٹنہ کالج و ممبر بہار یونیورسٹی سینٹ نے حسب ذیل سوالات کئے۔

۵۳-۵۴ ، ۵۴-۵۵ کے بجٹ میں ہندی اور اردو کی ترقی کے فنڈ میں جو رقم دی گئی تھی اس میں سے اردو کے سلسلے میں کتنی صرف ہوئی اور کب خرچ ہوئی؟

بہار یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد نے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ اس میں سے کوئی رقم خرچ نہیں کی گئی۔

——— وہ جو مثل ہے کہ خربوزہ سے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے! یعنی اتر پردیش کے خربوزے سے بہار کے خربوزے نے رنگ پکڑا!

——— ہ آزادی کے کرم تھ بیتا تھادولی کے راج نیتک اور سماجک زندگی کے زماناسور گیہ شری آصف علی اور دلی کے پرتھم لوک پرشکشا منتری تھا پرانے راشٹر یہ نیتا سورگیہ شری شفیق الرحمن قدوائی کی پہلی برسی منانے کے لئے اتوار ۲۴ اپریل کو شام کے ساڑھے پانچ بجے ایک عام سبھا ہوگی جس میں دلی کے تھا ساراجک نیتاؤں دوارا دونوں آتماؤں کو شردھانجلیاں بھینٹ کی جائیں گی کرپا جلسہ میں زیادہ سے زیادہ سنکھیا میں سمت ہو کر اپنے کرتویہ کا پالن کریں۔

(پردھان منتری دلی پردیش کانگریس کمیٹی)

——— یہ اعلان ہے اس جلسے کا جو دلی میں آصف علی صاحب مرحوم اور شفیق الرحمن صاحب قدوائی مرحوم کی برسی کے موقع پر کیا گیا!

——— اگر یہ دونوں مرحومین زندہ ہوتے تب بھی اس "قومی" زبان کو پڑھ کر مر جاتے!!

——— نئی دہلی ۱۸ اپریل۔ حکومت ہند کے فراہم شدہ اعداد و شمار کے مطابق شہر بمبئی (گریٹر بمبئی) میں ۸۶ مختلف زبانیں بولنے والے لوگ آباد ہیں جن میں سب سے زیادہ تعداد مرہٹی بولنے والوں کی ہے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ بمبئی میں اردو بولنے والوں کی تعداد ہندی بولنے والوں سے زیادہ ہے ——— مادری زبان کا چارٹ حسب ذیل ہے۔

مرہٹی ——— ۱۲،۳۶،۸۰۴
گجراتی ——— ۵،۲۳،۱۲۰
اردو ——— ۲،۸۱،۹۷۵
ہندی ——— ۲،۱۱،۲۲۳

——— اس نام کی (اردو) کسی زبان کا وجود ہی کہاں ہے پھر یہ اعداد کیسے؟ جس زبان کا کوئی وجود ہی اس ملک میں نہ ہو اس کے متعلق مردم شماری کے یہ تمام اعداد کیونکر فراہم ہو جاتے ہیں؟ ——— شاید ہمیں رتن سنگھ جی کچھ بتا سکیں!!

ہندستانی پرچار سبھا وردھا

شری اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

حال ہی میں پارلیمنٹ میں ہندستانی پرچار سبھا واردھا کے بارے میں بحث ہوئی تھی۔ اس کے متعلق سبھا کے سکریٹری شری امرت لال ناناوٹی نے جو گزارش کی ہے سو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں، اسے اپنے ہردلعزیز اخبار کی اگلی اشاعت میں شائع کرنے کی مہربانی کریں۔

ابھی کچھ دن پہلے پارلیمنٹ میں محکمہ تعلیم کے بجٹ پر بحث ہوئی تھی اس میں ہندستانی پرچار سبھا واردھا، بحث کا ایک موضوع بن گئی۔ شری ٹنڈن نے ہندستانی پرچار سبھا واردھا کو دی جانے والی سرکاری امداد کی مذمت

کی۔ اس کا جواب وزیر تعلیم مولانا آزاد نے دیا اور اس پر گاندھی جی کے سکریٹری شری پیارے لال جی کا مضمون اخباروں میں نکلا ہے جس سے کئی مسئلے اٹھتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے ممبر شری کاکا صاحب کالیلکر ایک کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے جاپان گئے ہیں۔ میں تو ایک خاموش اور خاکسار خادم ہوں اخباروں میں بیان دینے کی مجھے عادت نہیں پھر بھی صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ عوام کی آگاہی کے لئے فوراً ہی کچھ کہنا میرے لئے ضروری بن گیا ہے۔

بحث کے دو حصے موضوع تھے۔ ایک تو ہندستانی پرچار سبھا اور اس کا مقصد اور کام اور دوسرا اس کی سرکاری امداد۔ قومی زبان کے بارے میں گاندھی جی کے خیالات ۱۹۰۹ء یا اس کے پہلے سے صاف تھے "ہند سوراج" میں انھوں نے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں۔

"ہر ایک پڑھے لکھے ہندستانی کو اپنی زبان کا، ہندو کو سنسکرت کا، مسلمانوں کو عربی کا، پارسی کو پرشین کا اور سب کو ہندی کا علم ہونا چاہئے۔ سارے ہندستان کے مسلمانوں پارسیوں کو سنسکرت سیکھنی چاہئے اور مغرب میں رہنے والے ہندستانی کو تامل سیکھنی چاہئے۔ سارے ہندستان کے لئے تو ہندی ہی ہونی چاہئے۔ اسے اردو یا ناگری لپی میں لکھنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ ہندو مسلمانوں کے خیالات ٹھیک رکھنے کے لئے بہترے ہندستانیوں کو دونوں رسم الخط جاننا ضروری ہیں۔ ایسا ہونے پر ہم آپس کے سلوک میں انگریزی کو نکال باہر کر سکیں گے۔"

۱۹۱۸ء میں اندور میں ہندی ساہتیہ سمیلن کی صدارت کی کرسی سے بھی انھوں نے یہی خیالات ظاہر کئے اور تب سے ۱۹۴۲ء تک انھوں نے سمیلن کے ساتھ کام کیا۔ جب سمیلن نے ۱۹۴۱ء کے دسمبر میں ابوہر کے اجلاس میں ہندی لفظ کے اندر تاریخی نقطۂ نظر سے اردو کا داخلہ ہوتے ہوئے بھی اس کا علیحدہ وجود تسلیم کیا اور ادبی اور قومی دونوں نقطہ ہائے نظر سے اپنے اور اپنی کمیٹیوں کے کام میں ہندی طرز تحریر اور ہندی الفاظ ہی کا استعمال اور تبلیغ کرنا طے کیا۔ تب گاندھی جی نے مئی ۱۹۴۲ء میں ہندستانی پرچار سبھا ادارہ قائم کی جس میں سمیلن کی مجلس منتظمہ کی مرضی تھی۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد جی صدر اور گاندھی جی نائب صدر تھے۔

گاندھی جی چاہتے تھے کہ ہندی ساہتیہ سمیلن اور ہندستانی پرچار سبھا دونوں تعاون سے کام کریں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا اور جولائی ۱۹۴۵ء میں گاندھی جی نے ٹنڈن جی کو حسب ذیل خط لکھا۔

"میں تو اتنا ہی کہوں گا کہ جہاں تک ہو سکا میں آپ کے پریم کے آدھین (ماتحت) رہا ہوں۔ اب وقت آگیا ہے کہ یہی پریم مجھ سے آپ کو جدا کرے گا۔ میں اپنی بات نہیں سمجھا سکتا ہوں۔ یہی خط آپ سمیلن کی مقامی مجلس کے سامنے رکھیں۔ میرا خیال ہے کہ سمیلن نے ہندی کی میری تشریح قبول نہیں کی ہے۔ اب تو میرے خیالات اسی سمت میں آگے بڑھیں گے۔ قومی زبان کی میری تشریح میں اردو اور ہندی رسم الخط اور دونوں طرز تحریر کا علم آ جاتا ہے۔ ایسا ہونے ہی سے دونوں کا تعلق گہرا ہونے کو ہے تو ہو جائے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ میری یہ بات سمیلن کو چبھے گی اس لئے میرا استعفا قبول کر لیا جائے۔ ہندستانی پرچار کا کٹھن کام کرتے ہوئے میں ہندی کی سیوا کروں گا اور اردو کی بھی۔"

کانگریس نے قومی زبان کا نام ہندستانی رکھا اس لئے وہ لفظ زیادہ چل پڑا اور گاندھی جی اور دوسرے ساتھی قومی زبان کے لئے ہندی اور ہندستانی دونوں لفظ استعمال کرنے لگے۔ حالانکہ اس کے معنی وہی تھے جو گاندھی جی ۱۹۰۹ء سے کہتے آئے تھے۔

ملک کی تقسیم ہو جانے کے بعد مہاتما گاندھی کی یہی رائے تھی کہ ہمیں تو کشمیر سے راس کماری تک سارا ایک ہی دیش ماننا چاہئے اور ہمارے دلوں سے کڑواہٹ نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے سبھا کو اپنے قاعدے کے مطابق اپنا کام جاری رکھنا چاہئے (اس بارے میں زیادہ واقفیت سبھا کی طرف سے شائع شدہ "ہندستانی کے پرچارک گاندھی جی" نام کی کتابچے میں ملے گی۔ قیمت چار آنے ڈاک خرچ ایک آنہ)

گاندھی جی اپنے تعمیری کام کرنے والے اداروں کے لئے خود فنڈ جمع کرتے تھے تاکہ ساتھیوں کو کام کے لئے زیادہ وقت ملے۔ گاندھی جی کے انتقال کے بعد جب ۱۹۴۸ء کے ماہ مارچ میں سیواگرام میں سبھا کے بجٹ پر بحث کرنے کے لئے جلسہ ہوا تو اس وقت مولانا ابو الکلام آزاد نے جو سبھا کو قائم کرنے والوں میں سے ایک ہیں، کہا کہ سرکار آپ کی ہے اور سرکار کو آپ کی ضرورت معلوم ہو جائے تو سرکار بھی کچھ ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ اس لئے سبھا کے اس وقت کے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد جی نے سبھا کی ضرورتوں کے بارے میں وزیر تعلیم مولانا صاحب کو خط لکھا۔ اور تب سے سرکار ہر سال سبھا کو مالی امداد دیتی آ رہی ہے۔

ستمبر ۱۹۴۹ء میں پارلیمنٹ نے سرکاری زبان کی حیثیت سے ناگری رسم الخط میں ہندی کو منظور کیا۔ دفعہ ۳۵۱ کے مطابق ہندستان کی مشترکہ تہذیب کو ظاہر کرنے کا ذریعہ بننے والی جس ہندی کی ترقی کے بارے میں حکم دیا ہے۔ وہ ہندی سبھا کی رائے میں گاندھی جی کی تشریح کردہ ہندی یا ہندستانی ہے۔ اور اس نے سبھا نے پارلیمنٹ کے فیصلے کا استقبال کیا جبکہ ہندی ساہتیہ سمیلن کی مقامی کمیٹی نے اپنے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۹ء کے اجلاس میں پارلیمنٹ کے پورے فیصلے کو دیکھتے ہوئے اس سے اپنی گہری بے اطمینانی ظاہر کی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ مرکزی سرکار ساہتیہ سمیلن کی بھی برابر مالی مدد کر رہی ہے۔

مولانا صاحب نے پارلیمنٹ میں کہلوایا ہے کہ یہ کہا کہ ہندستانی پرچار سبھا اردو کا نام ــــــ کاموں میں ہندی ہی کا پرچار کرتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا صاحب کا مطلب اس ہندی سے ہے جو مجلس مقننہ نے ۳۵۱ دفعہ کے مطابق قرار دی ہے اور جس ہندی کے بارے میں گاندھی جی

شلا سے کہتے آئے ہیں اور جسے بعد میں ہندستانی بھی کہنے لگے نہ کہ ہندی سرایہ سمیلن کی آشریہ کی ہوئی ہندی سے ہندستانی پرچار سبھا کا اور دعا کا مقصد صاف ہے اور وہ آج بھی گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہی ہے لوگوں کی معلومات کے لئے وہ مقصد نیچے دیا جا رہا ہے

"قومی زبان ہندستان کی تبلیغ کرنا جو سارے ہندستان کی ہر ایک سیاسی، کاروباری اور ایسی ہی دوسری ضرورتوں کے لئے ملک بھر میں کام آسکے اور الگ الگ زبانیں بولنے والے صوبوں میں میل جول اور بات چیت کی زبان بن سکے۔

(نوٹ) ہندستانی زبان ہے جو شمالی ہندستان کے شہروں اور گاؤں کے ہندو مسلمان وغیرہ سب لوگ بولتے ہیں، سمجھتے ہیں اور آپس کے کاروبار میں برتتے ہیں اور جسے ناگری اور فارسی دونوں رسم الخطوں میں لکھا جاتا ہے اور جس کی ادبی شکلیں آج ہندی اور اردو کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور جو اپنی قوت بڑھانے کے لئے صوبائی زبانوں سے ضروری الفاظ اور محاورے اپناتی رہتی ہے۔"

جب ڈاکٹر راجندر پرشاد جی نے صدارت جمہوریہ کا بار سنبھالا تب انھوں نے چاہا کہ سبھا کی صدارت کے بارے میں انھیں رہائی دی جائے اس لئے شری کاکا کالیلکر جو گاندھی جی کے دیہانت کے بعد سے نائب صدر تھے صدر بنا دیئے گئے اور شریمتی راج کماری امرت کنور نائب صدر۔ راجندر پرشاد جی سبھا کے اور اس کی مجلس عاملہ کے ممبر تو ہیں اور سبھا کی میٹنگیں زیادہ تر ان کی حاضری میں ہوا کرتی ہے۔ مولانا صاحب کے علاوہ پنڈت جواہر لال نہرو ڈاکٹر تاراچند۔ پنڈت سندر لال علی گڑھ کے خواجہ عبد المجید صاحب شری شریمن نارائن اگروال۔ شریمتی رامیشوری نہرو شریمتی پرین بن کپشن۔ شریمتی ریحانہ طیب جی وغیرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سبھا کے ممبر ہیں۔

آخر میں میں اس موقع پر اردو، ہندستانی اور صوبائی زبانوں کے پریمیوں سے اپیل کروں گا کہ ہم سب مل کر قومی زبان کو اور صوبائی زبانوں کو ترقی دیں، اور جس طرح سب نے مل کر انگریزوں کو باہر نکال باہر کیا اسی طرح سب مل کر انگریزی کی حکومت کو بس باپو کی خواہش کے مطابق نکال باہر کریں۔ ہم سب زبانوں سے محبت کریں۔ کسی سے بغض نہ رکھیں۔ آج جو سرکاری دفتروں میں ہندی چلی ہوئی ہے وہ نہ تو ہندستان کے دستور کی ہندی ہے اور نہ عوام کی۔ وہ سخت اور غیر قدرتی ہے۔ پکے ہندی پریمی اس سے دب گئے ہیں۔ عوام کی حکومت میں عوام کی زبان ہی چلنی چاہیئے۔ تبھی جنتا کو سوراج کا تجربہ ہوگا۔

امرت لال ناناوٹی

سکریٹری

(ہندستانی پرچار سبھا۔ واردھا)

میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

اب اردو کی حفاظت ہم کریں گے　　میاں اس کی فضیلت ہم کریں گے
مگر ہندی سے نفرت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

کریں گے یوں تو ہم اردو کا چرچا　　خریدیں گے نہ چھ آنے کا پرچا
اٹھا لینے کی جرأت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

پڑے بانکا کریں اپنی یہ "باکرہ"　　پڑھیں گے مفت ہی چپ چاپ جا کر
بڑی قدر صحافت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

بکیں گی جیسے دو کم اردو کتابیں　　پڑھیں گے مفت ہم اردو کتابیں
نہ بے جا صرف دولت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

زبانی پوچھ لیں گے اہل فن کو　　نہ چندہ دیں گے ان کی انجمن کو
مگر انکی شکایت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

کلام "شاعر اردو" سنیں گے　　کریں گے "واہ وا" اور سر دھنیں گے
یہاں قدرے سخاوت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

ادیبوں کی نہیں محتاج اردو　　ہے اپنے بل پہ قائم آج اردو
بس اردو کی رفاقت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

مرے گا اشک تو ماتم کریں گے　　پڑھیں گے فاتحہ اور دم کریں گے
پھر اظہار عقیدت ہم کریں گے
میاں اردو کی خدمت ہم کریں گے

(اشک امرتسری)

اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

اعظم گڑھ ۔۔ ۲۰ اپریل ۔ پارلیمنٹ میں شبلی اکیڈمی پر ٹنڈن جی نے جو اعتراضات ابھی حال میں کئے ہیں ، ان پر مولانا مسعود علی ندوی نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے ۔

پارلیمنٹ میں وزارت تعلیمات پر اعتراضات کے سلسلے میں ٹنڈن جی نے شبلی اکیڈمی کی اس سرکاری امداد پر بھی اعتراض کیا ہے ، جو کہ وزارت تعلیمات نے گزشتہ ستمبر میں اکیڈمی کے لئے منظور کی ہے ۔

اس اعتراض کے جواب میں وزارت تعلیمات کی طرف سے جو کچھ فرمایا گیا وہ اپنی جگہ پر قابل غور اور ایک ناقابل انکار حقیقت ہے لیکن اس سلسلے میں بھی شبلی اکیڈمی کی گزشتہ قومی و سیاسی تاریخ آپ کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں ۔ تاکہ آپ اس کا اندازہ کر سکیں کہ گورنمنٹ نے جو امداد دی ہے وہ صحیح ہے ۔ یا ٹنڈن جی کا غیظ و غضب ۔

شبلی اکیڈمی (دار المصنفین) ملک کی ایسی مشہور علمی سوسائٹی ہے جس کے کارناموں سے ٹنڈن جی کچھ کچھ واقف ہوں گے ، نیز اس ملک کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اور دوسرے ملک کے علماء و فضلاء تو اس سے پوری طور پر واقف ہیں یہ سوسائٹی ۴۸ برس سے علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہے ۔ اس نے ہر شعبۂ علم و فن میں اعلیٰ اور بلند کتابیں شائع کی ہیں ۔ اس کی مختلف کتابوں کے ترجمے ترکی ، مصر ، افغانستان اور ایران میں ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں ۔ انڈونیشیا اور چین میں بھی یہ اکیڈمی متعارف ہو رہی ہے ۔ اس کی متعدد کتابیں باہر کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں ۔ اس کے ریسرچ کے کارناموں کا اعتراف ۔ ۔ ۔ ۔ یورپ تک نے کیا ہے ۔ اس طرح یہ اکیڈمی اپنے علمی کارناموں سے اسلامی ممالک اور علمی دنیا میں ہندوستان کا نام بلند کر رہی ہے ۔ ایک ایسی علمی انجمن کسی ملک کے لئے قابل فخر ہو سکتی ہے نہ کہ قابل تنقید و شکایت ۔

شبلی اکیڈمی نے اپنی خدمات علم و فن ہی تک محدود نہیں رکھی ہیں بلکہ وقت آیا تو اس نے اپنے دائرۂ عمل سے ایک قدم آگے بڑھا کر ملک و ملت کی خدمت اور جہاد آزادی میں بھی شایان شان حصہ لیا ، جس کے بہت سے جاننے والے اور قدر کرنے والے افسوس ہے کہ اب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور اب صرف چند ہستیاں باقی رہ گئی ہیں ۔ جن میں بحمد اللہ اس ایوان کی سب سے اہم اور عظیم شخصیت بھی ہے ۔

اس کی قومی و ملی خدمات کی داستان بڑی طویل ہے ، جس کی تفصیل کے لئے گزشتہ ۵۰ سال کی قومی تاریخ کے اوراق الٹنے پڑیں گے ۔ مختصر یہ کہ اس نے شروع سے اب تک قوم و ملک کی جو خدمت کی ہے وہ کبھی بھلائی نہیں جا سکتی ۔ اس اکیڈمی کو سیاست اور قومی خدمت کا یہ ذوق اپنے بانی علامہ شبلی نعمانی سے بطور ورثہ کے ملا ہے ۔ مولانا نے اس زمانے میں آزادیٔ وطن کا خواب دیکھا تھا ، اور اس کے لئے پرجوش نظمیں لکھی تھیں ، جب ملک میں چند افراد کے سوا کوئی بھی ان کا ہم نوا نہ تھا ۔ میں آج بھی زندہ ہوں اور بتا سکتا ہوں کہ میں نے اور مولانا سید سلیمان ندوی نے گزشتہ پر آشوب زمانے میں اکیڈمی کو انتہائی خطرے کی حالت میں ڈال کر کس طرح صف اول کے رہنماؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیا ۔ اور ہمارے اس سیاسی انہماک کی وجہ سے مدتوں تک علم و دانش کی یہ مجلس سیاسی تحریک کا مرکز بنی رہی ہے ۔ کاش آج پنڈت موتی لال نہرو ، مہاتما گاندھی ، سروجنی نائیڈو ، ڈاکٹر انصاری ، حکیم اجمل خاں ، اور مولانا محمد علی مرحوم زندہ ہوتے اور ہمارے ٹنڈن جی کو بتاتے کہ جدوجہد آزادی کی تحریک میں شبلی اکیڈمی کا کیا مقام ہے اور خدا کا شکر ہے کہ اب بھی کچھ لوگ موجود ہیں جن سے ٹنڈن جی دریافت کر سکتے ہیں ، دور جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ خود اس ایوان کی سب سے بلند کرسی پر جو شخصیت متمکن ہے ۔ اس سے پوچھ لیں ۔

اس موقع پر میں شبلی اکیڈمی کے قومی اور سیاسی کاموں کی ایک مختصر سی فہرست بھی پیش کرنا چاہتا ہوں ، تاکہ اس سے اس کی سابقہ خدمات کا کچھ اندازہ ہو سکے ۔

(۱) نان کوآپریشن کی گزشتہ تحریک میں اکیڈمی کے ناظم اور منیجر نے اعظم گڑھ میں کانگریس کمیٹی قائم کی ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۷ء تک مولانا سید سلیمان ندوی اعظم گڑھ کانگریس کمیٹی کے صدر اور میں اس کا سکریٹری تھا ۔

(۲) ایک لاکھ کے بدیسی سوت کا بائیکاٹ ضلع میں ہوا ، جس پر مہاتما گاندھی نے ہمیں مبارکباد دی اور اعظم گڑھ کو محترم پنڈت جواہر لال نے کھادی کا مرکز قرار دے دیا ۔

(۳) پہلی ڈکٹیٹر شپ کے لئے مہاتما گاندھی نے اپنی گرفتاری کے وقت مولانا سید سلیمان ندوی کو اس ادارے کے ساتھ نامزد کیا کہ ندوی بڑے عالم ہیں ، ان کو بھی ساتھ آدمیوں میں لے لیا جائے ۔ آخری طلائی تحریک میں ڈاکٹر انصاری مرحوم نے اپنی گرفتاری کے وقت اکیڈمی کے منیجر مسعود علی ندوی کو ڈکٹیٹر نامزد کیا ۔

(۴) جب کانگریس نے گورنمنٹ ایڈ کی واپسی کا حکم دیا تو سب سے پہلے اس کی تعمیل میں نے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی مخالفتوں کے باوجود ندوۃ العلماء کی پانچسو ماہوار کی امداد واپس کر دی جس سے سارا ملک متاثر ہوا ۔

(۵) جب وائسرائے کو فرقہ وارانہ قرار دیا ۔ تو فوجدار ۔ وائسرائے الاحترام مدیر اعظم اسی شبلی اکیڈمی کے احاطے میں ایک بار لیڈروں کے ساتھ قانون شکنی کی ، جس کی حیثیت صوبہ کے سکریٹری کے پنڈت جی اور بحیثیت ضلع کے سکریٹری

کے میں نے قیادت کی۔

(۶) سوراج پارٹی جب گیا میں قائم ہوئی۔ تو اس پر پہلا دستخط اسی سوسائٹی کے منیجر جناب مسعود علی ندوی کا تھا۔ اس کے بعد آنجہانی پنڈت موتی لال نہرو نے شبلی اکیڈمی کو سوراج پارٹی کا مرکز قرار دیا۔ اور اعظم گڑھ کو صوبے میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی۔

(۷) احمد آباد کے بعد پہلا پنڈال شدہ کھدر کا اعظم گڑھ میں بنایا گیا جس میں پندرہ ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی اور جس کو تمام اکابر نے حیرت اور دلچسپی سے دیکھا۔

شبلی اکیڈمی کی ان گوناگوں علمی و ادبی اور قومی و وطنی خدمات کے باوجود میں نہایت فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہندستان کی آزادی کے بعد جبکہ ہر فرد اور ہر ادارہ نے اپنی قومی خدمت کی مادی قیمت نقد و اعزاز کی صورت میں وصول کر لی جس میں ہمارے رشمی منڈل تیں بھی شامل ہیں۔ ہماری اکیڈمی اور اس کے کارکنوں میں سے کسی فرد واحد نے بھی کبھی حکومت سے کسی اعانت کی درخواست نہیں کی اور نہ کسی قسم کا مالی و اعزازی فائدہ حاصل کیا۔ اور اس کی بے نیازی اور خودداری اسی طرح قائم رہتی اگر پاکستان کا تاریخی بازار اس پر یکقلم بند نہ ہو گیا ہوتا اور حیدرآباد اور بھوپال کی ... ۵ روپے ماہوار کی ریاستی امداد جو انگریزی دور حکومت میں بند نہ ہو سکی تھی۔ ہندستان کے آزاد ہونے کے بعد بطور انعام دفعتاً بند نہ ہو جاتی اور اس کی وجہ سے اکیڈمی کی زندگی کے لئے یہ آزما حالات نہ پیش آجاتے۔

ملک کی تقسیم کے بعد ہندستان کے مسلم ادارے پر تباہی و آتش کا جو نازک دور آیا اس کے پیش نظر ایک ایسے ہندستانی مسلم کی حیثیت سے جو ہندستان کے چپے چپے کو اپنا وطن سمجھتا، اور اس کے آثار اور اداروں کو اپنے اسلاف کی یادگار اور تہذیب و تمدن کا ورثہ جانتا ہو شبلی اکیڈمی جیسے علمی ادارہ کی حفاظت و بقا کی ذمہ داری ہم پر پیش از پیش عائد ہو گئی اور ہم نے سوچا کہ اگر خدانخواستہ آزاد ہندستان میں یہ علمی ادارہ انقلاب روزگار کا شکار ہو گیا تو یہ نہ صرف علمی دنیا کا ایک سانحہ ہوگا بلکہ اسلامی ممالک میں بھی جن سے ادارہ کا گہرا ربط ہے۔ ہندوستان کی سکولر حکومت کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں گی۔ ان خیالات نے ہمیں صورت حال پر ایک دوسرے نقطہ نظر سے غور کرنے کے لئے مجبور کر دیا اور اکیڈمی کی شکایات ہم اپنی قومی حکومت کے سامنے پیش کرنے کے لئے مجبور ہو گئے اور ہم شکرگزار ہیں کہ گورنمنٹ نے ہماری درخواست منظور فرمالی اور ۲۰ ہزار کی وقتی امداد دے کر اس ادارہ کو بچا لیا۔

یہ امداد شبلی اکیڈمی کی خدمات ... کے لحاظ سے ایسی غیر معمولی نہ تھی کہ اس پر نکتہ چینی کی جاتی۔ اس موقع پر یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم کے بعد بار بار دارالمصنفین کو پاکستان منتقل کرنے کے لئے ہم کو گرانقدر عطیات اور بہت بڑے رقبہ زمین کی پیش کش کی گئی۔ لیکن چونکہ ہم نے ہندستان میں رہنے کا عزم کر لیا تھا۔ اور اس اکیڈمی کو یہاں زندہ رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس لئے ہم نے اسے قبول نہیں کیا۔

یہ ہے اس مختصر اعظم گڑھ کی مختصر روداد جس پر اس قدر شور و شغب بپا رہا ہے۔ اور یادداشت بھی اکیڈمی کے قدیم کرم فرما ہم وطن شری الگورائے شاستری بھی پسند کریں گے اور ہوں گے کرشمہ پیاروں میں داخل ہو گئے اور بحیثیت صدر صوبہ کانگرس کمیٹی چھ نکاتی مہم کی ابتدا غریب شبلی اکیڈمی ہی سے شروع کر دی۔

مسعود علی ندوی
منیجر شبلی اکیڈمی۔ اعظم گڑھ

آل انڈیا مشاعرے میں
عالی جناب ڈاکٹر شنکر دیال صاحب شرما
ایم اے ایل ایل ایم پی ایچ ڈی (کنٹب) بار ایٹ لا
چیف منسٹر بھوپال کا خطبہ صدارت

حضرات محترم!

آپ کے مشاعرے کی صدارت کے فرائض انجام دیتے ہوئے میں ایک غیر معمولی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ مجھے بھوپالی ہونے کی حیثیت سے اس بات پر بھی فخر ہے کہ ہمارا بھوپال باوجود ایک چھوٹی سی اسٹیٹ ہونے کے ہر قسم کی ترقیوں کے لحاظ سے بھارت کے کسی حصے سے بھی پیچھے نہیں ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کا اس مشاعرے کو براڈکاسٹ کرنا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ بھوپال ادبی دنیا میں ایک امتیازی مقام کا مالک ہے۔ اس مشاعرے میں بہت سے ایسے پرانے اور نئے شعرا موجود ہیں جو ادبی دنیا میں اپنا اپنا ایک مقام حاصل کر چکے ہیں۔

یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ کسی قسم کی زندگی اور مادی ترقی کا بہت کچھ دار و مدار اس کی اقتصادی، سیاسی اور سماجی ترقی کے ساتھ ساتھ ادبی ترقی پر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت سرکار ہر زبان کے فن و ادب کی ترقیوں پر ایک بڑی بھاری رقم خرچ کر رہی ہے۔

ادب کو زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے اور خصوصیت کے ساتھ شاعری کو۔ دنیا میں جو رونق اور چہل پہل نظر آتی ہے اس کی بنیاد انسانی جذبات پر ہے۔ شاعری کا تعلق انہیں جذبات سے ہے۔ اگر جذبات نہ ہوں تو زندگی ایک بے کیف بوجھ بن کر رہ جائے اور سماج کی عمارت مسمار ہو جائے۔ شاعر انہیں جذبات کی مدد سے زندگی کی حسین عمارت تعمیر کرتا ہے۔ یونانیوں نے تو شاعر کو اس کی تخلیقی قوتوں (Creative powers) کی بدولت دیوتاؤں کے برابر درجہ دیا ہے۔ گوئٹے جس نے ساری زندگی علمی تحقیقات کے نذر کر دی تھی۔ آخری عمر میں اپنی ایک کمزوری

کو محسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ابتدائی عمر میں وہ نظم سے لطف لیا کرتا تھا لیکن علمی مشاغل کی بدولت اسے شعر و شاعری سے نفرت ہو گئی۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ اس کے دماغ کا وہ حصہ جس کا تعلق جذبات سے ہے، ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس نے ذہنی مشینی زندگی سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے تمنا کی کہ کاش! اسے زندگی کے وہ دن پھر واپس مل جائیں تاکہ وہ ہفتہ میں کم سے کم ایک دن کچھ اشعار پڑھے اور کچھ موسیقی سنے اور اس طرح اپنے دماغ کے اس حصہ کو ناکارہ ہونے سے بچائے جس پر مسرتوں کا دار و مدار ہے۔ پروفیسر جیمس، ایک ماہر نفسیات نے ڈارون کے اس بیان سے دوسروں کو سبق دیتے ہوئے سفارش کی ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ روزانہ دس منٹ وہ شعر و شاعری کا مطالعہ کرتا رہے، تاکہ جذبات مردہ نہ ہوں۔ ایک مشہور سائنس داں کا ذاتی تجربہ اور ایک مشہور فلسفی کی فکر ہمیں بتاتی ہے کہ شعر و شاعری کا زندگی میں کتنا اونچا مقام ہے۔

شعر شریفانہ جذبات کو بیدار کرنے کا ذریعہ، اور اخلاق کی تحریک کا آلہ ہے۔ اس سے روح کو سکون اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور وہ فرار کے بجائے زندگی کے حادثات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ انسان کی سیرت و کردار کے بنانے میں شعر و شاعری کی اہمیت مسلّمہ ہے۔ ہاں شاعری کو کسی خاص قسم کے جذبات کے اظہار کے لئے مخصوص کر دینا شاعری کے ساتھ ناانصافی ہے۔ شاعری کا کام یہ ہے کہ تمام انسانی جذبات کو حرکت میں لاتی رہے نہ کہ مخصوص رنج و غم حسرت و یاس کے جذبات کو ابھار کر زندگی سے فرار کا جذبہ پیدا کرتی رہے۔ حقیقی شاعری وہ ہے جو انسان کو انسان بننے میں مدد دے۔

ہر شاعر اپنے فن میں اپنے زمانہ کی روح کو سمو لیتا ہے اور یہی چیز اس کو غیر فانی بنا دیتی ہے۔

انھیں قوتوں نے ملٹن، شیکسپیئر، ڈانٹے، [illegible]، گوئٹے، اشلر، فردوسی، نظامی، کالیداس، تلسی داس، غالب، اقبال اور ٹیگور کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا ہے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اردو شاعری نے جو حیرت انگیز ترقی کی ہے اس کی مثال مشکل سے دنیا کی کسی اور زبان میں مل سکتی ہے

ہمارے ملک میں ابتدا ہی سے ایسی ادبی محفلوں کی کثرت رہی ہے جس نے شعر و شاعری کی ترقی کی رفتار کو تیز کر دیا۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں میں مشکل سے کوئی ایسا ہوگا جو شعر نہ کہتا ہو۔ چاہے وہ مشاعروں میں پڑھنے والا شاعر نہ ہو، مگر فن شعر سے اس کو پوری واقفیت ہونا ضروری تھا۔ گویا ہماری تہذیب اور تعلیم کا ایک جزو شعر و شاعری بھی تھا۔

مغربی تعلیم اور خیالات نے اس نئی نسل کو اس فن لطیف سے بڑی حد تک محروم کر دیا ہے جس کے صحیح استعمال کی ضرورت ہر زمانے میں ہوتی ہے۔ خود بھارت کی جنگ آزادی میں سیاسی مفکروں کے پہلو بہ پہلو ہمارے شعرا بھی خدمت انجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں

اردو شاعری کی سب سے بڑی اور میرے خیال میں اہم صفت اس کی رواداری اور ہمہ گیری ہے۔ ہر مذہب اور ملت کے لوگ نہ صرف اردو شعر سے دلچسپی لیتے ہوئے نظر آتے ہیں بلکہ خود بھی شاعر ہیں۔ یہ چیز آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے نظر آتی ہے۔ اور اسی لئے اردو شاعری کو کسی مخصوص جماعت یا ملت کا سرمایہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ ایک مشترک قومی سرمایہ ہے۔

آخر میں، میں ایک بار پھر آل انڈیا ریڈیو ناگپور اور تمام اہل ذوق حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس ادبی محفل کو منعقد کر کے ایک اچھے اور پاکیزہ مذاق کا ثبوت دیا ہے۔ — بہ جہد

مورخہ ۔ ۳ مارچ

اردو کی خبریں

پٹنہ

پٹنہ (ڈاک سے) بہار میں اردو کو علاقائی زبان بنانے کے لئے صدر جمہوریہ کو محضر پیش کرنے کے ابتدائی کام پیشرفت ہوئی ہے۔ دفتر ریاستی اردو کنونشن انجمن اسلامیہ ہال مرادپور پٹنہ کی اطلاع کے مطابق دستور جمہوریہ ہند کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں بہار ریاست میں اردو کو علاقائی زبان منوانے کی خاطر محضر نامہ پیش کرنے کی غرض سے جو اردو دستخطی مہم کا آغاز کیا گیا تھا اس مہم کی تکمیل ہو گئی ہے اور اب انشاء اللہ اپریل کے آخر میں کنونشن کا انعقاد ہوگا تاکہ محضر نامہ تیار کر کے وفد کی تشکیل کر کے صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔

یہ طے پایا کہ بہار کے ہر اردو داں معلم، اساتذہ اور پروفیسر، بہار اسمبلی و بہار کونسل کے ہر اردو داں ممبر، مرکزی پارلیمنٹ و کونسل آف اسٹیٹ کے ہر اردو داں ممبر، بہار کی تمام لائبریریوں کا ایک ایک نمائندہ، بہار کی ہر اردو ادبی انجمن کا ایک ایک نمائندہ، بہار کی تمام لوکل باڈیز، ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی کے اردو داں اراکین، بہار کے تمام اردو مصنفین و شعرا کرام و ادبا، بہار کے ہر اردو صحافی، اردو دستخطی مہم کے فارم پر دستخط کرنے والوں کے نمائندگان کی ایک مخصوص تعداد کو بزم مجلس استقبالیہ و دیگر قابل ذکر اردو دوست احباب کو بہ حیثیت ڈیلی گیٹ شرکت کی دعوت دی جائے۔

کانپور

کانپور۔ یہاں جمعیۃ علما کے زیر اہتمام اردو کانفرنس ہوئی۔ اس نے اپنی ایک تجویز کے ذریعے صدر جمہوریہ ہند سے درخواست کی ہے کہ وہ اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم کر لیں، کیونکہ اس صوبے کے ۳۴ لاکھ باشندوں نے اردو کو اپنی مادری زبان بتلایا ہے۔ کانفرنس نے نیز یادداشت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تجویز منظور کی ہے۔

یہ اردو کانفرنس تمام ہمدردان اردو سے اپیل کرتی ہے کہ وہ تعلیم بالغان کی مہم میں دلچسپی سے حصہ لیں اور ہر جگہ شبینہ مکاتیب قائم کریں۔ اگر اب ہم بالغ عوام کو اردو نہیں پڑھاتے ہیں اور ان کی اردو سے دلچسپی باقی نہیں رکھتے ہیں تو وہ دن دور نہیں جب کہ ہمیں اسکولوں میں پڑھنے والے بچے ملنا مشکل ہو جائیں گے۔ اس لئے ہر اردو سے محبت رکھنے والے کا فرض ہے کہ وہ پورے جوش و خروش سے تعلیم بالغان کو چلائے۔

انٹرمیڈیٹ میں اردو کے بارے میں کانفرنس نے اپنی ایک تجویز پیش کی ہے۔

انٹرمیڈیٹ کے لئے اس مرتبہ جس نصاب کی تجویز پیش کی گئی ہے اس میں اردو کو اس طرح رکھا گیا ہے کہ جو طالب علم اردو کو بطور اختیاری مضمون کے لے وہ انگریزی نہیں لے سکتا ہے۔ اس کانفرنس کی رائے میں یہ صورت حال نامناسب ہے اس لئے نصاب ایسا ہونا چاہئے کہ طالب علم اردو انگریزی دونوں ایک ساتھ لے سکیں، جیسا اب تک ہوتا رہا ہے۔

امروہہ عزیز عباسی صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو امروہہ نے اطلاع دی ہے کہ عنقریب انجمن کے زیر اہتمام یوم مصحفی منایا جائے گا۔

بزم مقالات میں حصہ لینے کے لئے حسب ذیل اصحاب کو دعوت دی گئی ہے۔

مصحفی کی سوانحیات ۔ سید مجتبیٰ حسن صاحب
مصحفی اور ان کی شاعری ۔ خواجہ احمد فاروقی صاحب
مصحفی اور ان کے تذکرے ۔ نثار احمد صاحب قمر فریدی
مصحفی کے کلام میں عصری رجحانات ۔ پروفیسر احتشام حسین صاحب
مصحفی کی شاعری پر دیسی زبانوں کے اثرات ۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں
مصحفی کا مرتبہ ادب اردو میں ۔ آل احمد صاحب سرور
مصحفی اور تصوف ۔ مولانا عبد الماجد دریابادی
مصحفی اور انشاء ۔ حکیم کلب علی صاحب شاہد
مصحفی اور ان کے تلامذہ ۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی
مصحفی کے دواوین اور ان کے مختلف نسخے ۔ مولانا عرشی رام پوری
مصحفی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب کے عناصر ۔ علامہ کیفی دہلوی

امروہہ ۔ [illegible] مارچ کی شب میں مقامی انجمن ترقی اردو کا دسواں علمی ادبی اجتماع حکیم اسلام الحق صاحب کے مکان پر منعقد ہوا جس میں گزشتہ ادبی اجتماع کی کارروائی کی تصدیق اور شوکت اللہ خاں صاحب کے مضمون [illegible] کے بعد صدر انجمن جناب سید رضی حسن صاحب نے [illegible] پر ایک کامیاب تاریخی مقالہ پڑھا۔ اور حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی نے حضرت ساکت امروہوی کے عنوان سے ایک طویل مقالہ کے ذریعہ حاضرین کو امروہہ کے ایک عظیم المرتبت گمنام شاعر کے حالات سے روشناس اور ان کے کلام سے محظوظ کیا۔ مولانا کو حضرت ساکت کا گمشدہ کلام فراہم کرنے اور فراہم شدہ کلام میں سے اس معیاری انتخاب پر مبارکباد پیش کی گئی۔ ازاں بعد ظریف المزاج مولانا مسلم نے اپنے قطعات سے جناب رشید بچھرایونی نے اپنی ایک عمدہ نظم سے اور جناب ظل حق صاحب نے چائے، پان اور سگریٹ سے حاضرین کی تواضع کی۔ اور انجمن کی جانب سے ظل حق صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔

بہوروا محمد رحمت اللہ صاحب عراقی انجمن ترقی اردو بانس پار بہوروا ضلع بلیا مطلع فرماتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو کا سالانہ ادبی جلسہ اور مشاعرہ اس سال [illegible] جون کو ہوگا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدرسہ رونقیہ اور اسٹوڈنٹس لائبریری کے جلسے بھی ہوں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی مشاہیر ادباء اور شعرا شریک اجلاس ہوں گے۔ مفصل پروگرام جلد ہی شائع کیا جائے گا۔

اہل بہوروا سے درخواست ہے کہ سالانہ اجلاس کی اہمیت اور افادی شان بڑھانے کے لئے مجلس استقبالیہ کی امداد کریں۔ اور اپنے عطیات مرحمت فرمائیں۔

انجمن ترقی اردو بانس پار بہوروا ضلع بلیا کے اراکین نے طے کیا ہے کہ اس سال انجمن کے سالانہ اجتماع کے موقعے پر جو [illegible] جون کو ہوگا مضمون نویسی کے دو انعامی مقابلے کئے جائیں۔ پہلا مقابلہ ضلع بلیا کے لکھنے والوں کے لئے مخصوص ہوگا جس کا موضوع یہ ہے۔

"مشاہیر بلیا کے تاریخی مختصرات"

سب سے اچھے مضمون پر ۲۵ روپیہ کا نقد انعام انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک خصوصی انعام جناب حاجی محمد یونس صاحب کی طرف سے اس طالب علم کو دیا جائے گا جو اس موضوع پر اچھی تقریر کریگا۔ دوسرے مقابلے میں ضلع بلیا کے علاوہ دوسرے اضلاع کے لکھنے والے بھی شریک ہو سکتے ہیں۔ اس مضمون کا عنوان ہے۔

"دیہاتی گیت سماج کی تاریخ ہوتے ہیں"

سب سے اچھے مضمون پر پچاس روپے کا ایک طلائی تمغہ انجمن کی طرف سے پیش کیا جائے گا۔ شرطیں یہ ہیں۔ مضامین بذریعہ رجسٹری سکریٹری انجمن ترقی اردو کے نام [illegible] مئی تک پہنچ جانے چاہئیں۔ مضامین فل اسکیپ سائز کے کاغذ پر خوشخط کاغذ کے ایک ہی طرف لکھے ہونے چاہئیں اور کسی حالت میں تین ہزار الفاظ سے کم نہ ہونے چاہئیں۔

ایک اور انعام بصورت کتب ضلع بلیا کے اس شاعر کو دیا جائے گا جو نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے بہترین نظم لکھے گا۔ اس نظم میں زبان کی اہمیت اور اس کی خدمت کیلئے اپیل کا ہونا ضروری ہے۔

ناشر: قاضی محمد عبد الغفار صدر دفتر انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۔ مطبوعہ نیشنل پریس کمپنی علی گڑھ۔

گزشتہ سے پیوستہ

ہندوستانی اور دوسری ہندوستانی زبانوں کے ماخذ

اقتباس از ([illegible])

(مترجمہ: مسٹر مدن گوپال)

جب یہ شاعری موثر ثابت ہوئی اور شمال پہنچی تو دہلی کے مسلمانوں کے یہاں نئے تصورات کا سلسلہ شروع ہوا۔ شروع میں ہندوؤں نے کوئی توجہ نہ دی اور وہ عاجز رہے ... رہے اور اس شاعری کو حاصل کیا۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا یا سترہویں صدی کے آخر میں اس شاعری کو ہندوستانی کہا جانے لگا تھا کیونکہ یہ ... ہندوؤں کی مادری زبان سے بہت قریب تھی اس لئے انھوں نے بڑے خلوص سے اپنا لیا یہ ہندو کی شرکت ہی تھی جس نے دو عظیم دریاؤں (فارسی اور عربی) کے لئے سیلاب کے دروازے کھول دیئے جس سے ہندوستانی کی قدرتی شگفتگی ... گئی اور اس کے قدرتی ساحلوں کو تھوڑا بہت نقصان پہنچا۔

بہت کم ہندو ادیبوں نے ہندوؤں کے اس انوکھے خیال کی طرف توجہ دی ہے۔ ہندو اپنی خانگی زندگی میں بہت سادگی پسند تھے اور آج بھی ہیں بلکہ پرہیزگاری کی حد تک سادہ ہیں۔ اپنی پبلک سماجی تقریبوں میں ان سے زیادہ فضول خرچ لوگ ملنا مشکل ہیں۔ ہولی دیوالی اور دسہرہ تمام نمائش اور دھوم دھام کے تہوار ہیں۔ اسی طرح تمام مذہبی جلسے بھی ہیں۔ ہمارے یہاں ایک کہاوت مشہور ہے کہ بنئے کی کمائی بیاہ یا مکان نے کھائی۔ یہ کہاوت تمام ہندوؤں پر بغیر کسی ذات اور امتیاز کے لاگو ہے یہاں تک کہ مندروں (جو وہ اپنے دیوتاؤں کے لئے بناتے ہیں) کے اندرونی حصے بڑے سادہ ہوتے ہیں جبکہ باہری حصہ دیدہ ریزی سے بھرا ہوتا ہے اور بے معنی آرائش کی افراط سے مذہبی اور انسانی قدروں کی بے خبری ظاہر ہوتی ہے اور ہمیشہ ... اپنے جذبات کے مظہر ہوتے۔ زبان ایک سماجی ادارہ ہے جو ہندوؤں کے ہاتھوں سے بے معنی آرائش کی وجہ سے اسی طرح مسخ ہوتی ہے۔ اردو بھی اس مصیبت اٹھاتی ہے اب ہندی کا گلا گھونٹا جا رہا ہے۔ ہم کو تحریر میں کلاسیکی سنسکرت کے ادب میں بھی یہ رجحان مل جائے گا۔ ایک دیدہ ریزی آرائش اور بے معنی تفصیل کا شوق یہ ہندوؤں کی بنیادی کمزوری ہے جو تمام ہندوؤں ... تعلیم یافتہ ہندوؤں میں بھی عادت ہے جسے وہ "فنکاری" کہتے ہیں۔

بقول عظیم مرہٹی ماہر لسانیات ڈاکٹر پی۔ ڈی۔ گنیوٹے۔ شیواجی اور پیشواؤں کے زمانے میں مرہٹی ہندو برہمنوں کے خطوط کے جانچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس الفاظ میں سے پانچ کے ماخذ فارسی اور عربی کے تھے۔ بنگال کی کہانی بھی اسی طرح کی تھی مگر ان مولویوں نے ایک نئی بھی زبان میں شاعری نہیں کی ہے جبکہ کچھ یورپی محققین نے سنسکرت کی غیر مستحق تعریفیں کیں جو اس غلط خیال کے ماتحت تھی کہ سنسکرت ہی تمام انڈو یورپی زبان کا منبع ہے تب ہی سے بنگالی اور مرہٹی ہندوؤں نے فارسی اور عربی کے بجائے سنسکرت کے مجموعہ الفاظ کی طرف توجہ دی ہے۔ وہ لوگ جنھوں نے انگریزی میں پڑھا ہے اور خاص کر جو دیسی زبانوں میں سوچ بھی نہیں سکتے ان کے لئے سنسکرت کی لغت کا ... بہت آسان ہو گیا ہے۔ بہرحال قومی رجحان وہی بہت زیادہ خالص کا رہا ہے۔ اگر کبھی بھی ہندوستانی زبان کو سنسکرت آمیز بنانا ترک کر دیا تو وہ اس کو انگریزی آمیز بنانا چاہنے لگے ——— انگریزی الفاظ ہماری بول چال میں شامل ہو چکے ہیں اور ہم میں سے کچھ تو زیادہ دو ہی (انگریزی الفاظ) استعمال کرتے ہیں اس کا بھی امکان ہے کہ ہماری ادبی زبان بھی اسی دائرے ... مزین ہو جائے کچھ اردو ادیبوں نے بڑی افراط سے ان کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے تمام ... کی رنگین بیانی کے شوق اور کسی مردہ زبان کو بہت فارسی آمیز، سنسکرت آمیز یا انگریزی آمیز کرنے کے باوجود زندگی کے بہتے ہوئے دھارے یعنی عوام میں بولی جانے والی زبان کو اپنی راہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ جیسا کہ لسانی انقلاب کے باب میں کہا جا چکا ہے۔ دنیا کی تمام لکھی جانے والی زبانوں کا ڈنک ... رہی ہیں۔ ممکن ہے ہندوستان میں حقیقت اتنے زیادہ عرصہ الگ رہ جائے کہ بولی جانے والی زبان ہی زندہ زبان ہے اور لکھی جانے والی زبان مردہ زبان ہے۔ اس لئے بولی جانے والی زبان کی ادبی تزئین سے بہت زیادہ اہمیت ہے۔ لیکن یہ عمل ... صدی ... شاید اس صدی کے خاتمہ سے پہلے ہو ... عام طور سے نہیں معلوم ہے کہ گجراتی اور مرہٹی کی بھی دو دو زبانیں ہیں ایک سنسکرت آمیز تعلیم یافتہ طبقے کی اور دوسری ٹھیٹ عوامی بولی۔ پہلی سنسکرت سے بھری ہوتی ہے، دوسری میں بہت سے خوبصورت اور عام فہم فارسی اور عربی الفاظ شامل ہیں۔ بقول مسٹر چٹرجی بنگالی میں دو ہزار پانچ سو (۲۵۰۰) فارسی کے الفاظ ہیں اسی سے اس کا اندازہ ہے کہ ہندوستانی میں پانچ ہزار (۵۰۰۰) الفاظ ضرور ہوں گے۔

مجھے اختتام سے پہلے ہندوستانی کے ماخذ کا خلاصہ بیان کرنا ہے یہ شستہ مشرقی پنجابی اور مغربی یوپی کی خوبصورت بولی بولی ... کے تعلقات سے پیدا ہونے والی اولاد ہے۔ گو کہ یہ تندرست اور صحت مند بچی تھی۔ لیکن ہندوؤں اور مسلمان دونوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ یہ لڑکی ان کے گھر میں پروان چڑھی اور سب سے پہلے اچھوت کبیر کے جھونپڑے میں اس کا حسن

چکا تھا۔ اس کا ماخذ ادبی ہے اسی میں اس کی بڑی شان ہے اور یہ مستقبل کے لئے خوش آئند ہے۔

ابھی تک یہ غلط خیال عام ہے کہ تمام ہندوستانی زبانوں کا منبع سنسکرت ہے یہی نہیں بلکہ روز آنہ مختلف جماعتوں کی طرف سے اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔ وہ افراد جن کو اس کا بہتر علم ہونا چاہیئے وہ بھی اس وہم میں ساتھ رہتے ہیں۔ اب بڑا نازک وقت آگیا ہے۔ اس لئے اس غلطی کو ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ یہ توقع کرنا حماقت ہوگی کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سب قبول ہوگا جبکہ تمام ماہر لسانیات کی متفقہ رائے ناکام رہ چکی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ غیر تحقیقی نظریہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ جہاں تحقیقی نظریہ ناکام رہ جاتا ہے۔ میں اپنے قاری سے کہوں گا کہ وہ آدھا گھنٹہ پالی لغت کی ورق گردانی میں گزارے۔ اس کو یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ پالی الفاظ بولی جانے والی زبان کے الفاظ سے بہت قریب ہیں بہ نسبت سنسکرت کے مطابقت رکھنے والے الفاظ ـــــ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پالی بہ نسبت سنسکرت کے جدید زبانوں سے زیادہ قریب ہے یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ پالی سنسکرت سے زیادہ پراکرت زبان کی نمائندگی کرتی ہے۔

ہندوؤں کے اثرات کی وجہ سے شعبۂ تعلیم نے بھی پالی کی طرف بے توجہی برتی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بہت کم پبلک لائبریریاں پالی لغت رکھتی ہیں۔ میں اپنے ان قاریوں کے لئے جو اس کو دیکھنے کی زحمت نہیں اٹھا سکتے پالی الفاظ کی ایک فہرست معہ مطابقت رکھنے والے سنسکرت، ہندوستانی اور پنجابی الفاظ کے پیش کرتا ہوں۔

پالی	سنسکرت	ہندوستانی	پنجابی
چھ	شاشس	چھے	چھ
ستا	سپت	سات	سات
سنجھا	سندھیا	سانجھ	سنجھا
سپی	شکتی	سیپی	سپی
داس دو	داش	داس	داس دہ
بارہ	دوادش	بارہ	باراں
گھر	گرہ	گھر	گھر
کھیت	کشیتر	کھیت	کھیت
پنڈو	پنڈن ناشتی	پنڈو	پنڈو
رکھ	رکش	روکھا	رکھ
روگی	روگن	روگی	روگی
سوچی	سوچی	سوئی	سوئی
مٹیا	مرتکا	مٹی	مٹی
جیدو	یادرش	جیسا	جیسا
سالو	شیال	سالا	سالا
ماتوسیا	ماترشوسا	ماسی	ماسی

پالی	سنسکرت	ہندوستانی	پنجابی
پوتھان	پستکا	پوتھی	پوتھا
رکھ	ورکش	رکھ	رکھ
مسانم	شمشان	مسان	مسانہ
سنکھل	شرنکھلا	سانکل	سنگل
ساک	سیتہ	ساگ	ساگ
راتی	راتری	رات	رات
اگی	اگنی	آگ	اگ
تیراس	ترئودش	تیرا	تیراں
تیوس	تریونشتی	تیئیس	تیئیں
تیتس	ترایشترنشت	تینتیس	تیتی
کام	کریا	کام	کاج
آپان	آپتن	آپ	آپ
ماوز	کلٹ	ماودا	ماود
بیل	بلیوردا	بیل	بیل
کوتھا	کاتورتھ	کوٹھا	کوٹھا
بدو	ودھو	بہو	ووہٹی
ستیا	شایا	سیج	سیج
اریٹھا	ارشٹا	ریٹھا	ریٹھ
کواڑا	کپاٹ	کواڑ	پھاٹک
بھاڈوا	بھدراپدا	بھادوں	بھادروں
بھنورا	بھرمرا	بھونرا	بھیراں
سیٹھ	شریشٹھ	سیٹھ	سیٹھ
کھاجا	کھادیہ	کھاجا	کھاجا
جیٹھ	جیشٹھ	جیٹھ	جیٹھ
ہتھی	ہستی	ہاتھی	ہاتھی
ساپ	سرپا	سانپ	سپ
لٹھی	یشٹی	لاٹھی	لاٹھی
دہیا	ودھیا	دہی	دہی
دودھ	دگدھ	دودھ	دودھ